

تفسير القرآن

الكافرون

(١٠٩)



الکفرؤن

نام | پہلی ہی آیت **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ** کے لفظ الکافرؤن کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول | حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حسن بصری اور عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ سورہ کئی ہے حضرت عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں مدنی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے دونوں منقول ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ کئی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ کئی سورہ ہے، اور اس کا مضمون خود اس کے کئی ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

تاریخی پیش منظر | مکہ معظمہ میں ایک دورایسا گزرا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کے خلاف قریش کے مشرک معاشرے میں مخالفت کا طوفان توڑ پھاڑا ہو چکا تھا، لیکن اہل قریش کے سردار اس بات سے بالکل بائیس نہیں ہوئے تھے کہ حضور کو کسی نہ کسی طرح مصالحت پر آمادہ کیا جاسکے گا۔ اس لیے وہ کثرتاً وہ آپ کے پاس مصالحت کی مختلف تجویزیں لے لے کر آتے رہتے تھے تاکہ آپ ان میں سے کسی کو مان لیں اور وہ نزاع ختم ہو جائے جو آپ کے اور ان کے درمیان روٹنا ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں متعدد روایات احادیث میں منقول ہوئیں:

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم آپ کو اتنا مال دیے دیتے ہیں کہ آپ مکہ کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن جائیں، آپ جس عورت کو پسند کریں اس سے آپ کی شادی کیے دیتے ہیں، ہم آپ کے پیچھے چلنے کے لیے تیار ہیں، آپ بس ہماری یہ بات مان لیں کہ ہمارے مجبوروں کی برائی کرنے سے باز رہیں۔ اگر یہ آپ کو منظور نہیں، تو ہم ایک اور تجویز آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی بھی بھلائی ہے اور ہماری بھی۔ حضور نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال آپ ہمارے مجبوروں کو لات اور عترت کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے مجبوروں کی عبادت کریں۔ حضور نے فرمایا اچھا، نظیر وہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے! اس پر وہی نازل ہوئی

سلسلہ اس کا یہ طلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درجہ میں بھی اس تجویز کو قابل قبول کیا مگر قابل غور یہ سمجھنے تھے، اور آپ نے معاذ اللہ کفار کو یہ جواب اس امیر پر دیا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی منظوری آجائے۔ بلکہ دراصل یہ بات بالکل ایسی ہی تھی جیسے کسی ماتحت افسر کے سامنے کوئی بے جا مطالبہ پیش کیا جائے اور وہ جانتا ہو کہ اس کی حکومت کے لیے یہ مطالبہ قابل قبول نہیں ہے، مگر وہ خود صاف انکار کر دینے کے بجائے مطالبہ کرنے والوں سے کہے کہ میں آپ کی درخواست اور میرے دینا ہوں، جو کچھ وہاں سے جواب آئے گا وہ آپ کو بتا دوں گا۔ اس سے فرق یہ واقع ہوتا ہے کہ ماتحت افسر اگر خود ہی انکار کر دے تو لوگوں کا اصرار جاری

وقت بھی پڑھی جاتی رہی جب وہ لوگ رکھ پ گئے تھے جن کی باتوں کے جواب میں اسے نازل فرمایا گیا تھا، اور وہ لوگ بھی مسلمان ہونے کے بعد اسے پڑھتے رہے جو اس کے نزول کے زمانے میں کافر و مشرک تھے، اور ان کے گورہانے کے صدیوں بعد آج بھی مسلمان اس کو پڑھتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر کی بیزاری و لافسلفی ایمان کا دائمی تقاضا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس سورہ کی کیا اہمیت تھی، اس کا اندازہ ذیل کی چند احادیث سے کیا جاسکتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے بارہا حضور کو فجر کی نماز سے پہلے اور مغرب کی نماز کے بعد کئی دو رکعتوں میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هَذَا لِلَّهِ أَحَدٌ پڑھتے دیکھا ہے، اس ضمن میں کئی متعدد روایات کچھ لفظی اختلافات کے ساتھ امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ہبان اور ابن مردؤیہ نے ابن عمر سے نقل کی ہیں۔

حضرت عتاب کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم سونے کے لیے اپنے بیٹے لیٹو تو قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھ لیا کرو، اور حضور کا خود بھی یہ طریقہ تھا کہ جب آپ سونے کے لیے لیٹتے تو یہ سورہ پڑھ لیا کرتے تھے (بیتار، طبرانی، ابن مردؤیہ)۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں وہ کلمہ جو تم کو شرک سے محفوظ رکھنے والا ہے، وہ یہ ہے کہ سوتے وقت قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھ لیا کرو (ابو یعلیٰ، طبرانی)۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا سوتے وقت قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے (بیہقی فی الشعب)۔

فردہ بن نوفل اور عبدالرحمان بن نوفل، دونوں کا بیان ہے کہ ان کے والد نوفل بن معاویہ الأشجعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جسے میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ آخر تک پڑھ کر سو جایا کرو کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے (مسند احمد، البراد و تبری)۔

نسائی، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابن مردؤیہ، بیہقی فی الشعب)۔ ایسی ہی درخواست حضرت زبیر بن عارض کے بیٹے حضرت جبلیہ بن حارثہ نے حضور سے کی تھی اور ان کو بھی آپ نے یہی جواب دیا تھا (مسند احمد، طبرانی)۔

آیاتھا ۶ سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ رٰكُوْعَتَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ يَاۡٓيٰٓهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۡ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۡ اَنْتُمْ
عِبُدُوْنَ مَاۡ اَعْبُدُوْنَ ۝۳ وَلَاۡ اَنَاۡ عَابِدٌۭ مَاۡ عَبَدْتُمْ ۝۴ وَلَاۡ اَنْتُمْ
عِبُدُوْنَ مَاۡ اَعْبُدُوْهُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وِلٰی دِيْنِ ۝۶

کہہ دو کہ اے کافر تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو اور نہ تم
اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا
ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا
ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

۱۔ اس آیت میں چند باتیں خاص طور پر توجیہ طلب ہیں:

(۱) حکم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے کہ آپ کافروں سے یہ بات صاف صاف کہیں، لیکن آگے کا مضمون یہ بتاتا ہے کہ
ہر مومن کو وہی بات کافروں سے کہنی چاہیے جو بعد کی آیات میں بیان ہوئی ہے حتیٰ کہ ہر شخص کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آیا ہو اس
کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ کافر اور اس کی عبادت اور عبادوں سے اسی طرح اپنی بیعت کا اظہار کر دے۔ پس لفظ کفر (کہہ دو) کے
اولین مخاطب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر حکم حضرت کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ آپ کے واسطے سے ہر مومن کو پہنچتا ہے۔
(۲) کافر کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے جو اس آیت کے مخاطبوں کو دی گئی ہو، بلکہ عربی زبان میں کافر کے معنی انکار کرنے والے
اور نہ ماننے والے (Unbeliever) کے ہیں، اور اس کے مقابلے میں مومن کا لفظ مان لینے اور تسلیم کر لینے والے (Believer) کے
کے لیے بولا جاتا ہے۔ لہذا اللہ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اے کافر تو دراصل اس معنی میں ہے کہ "اے وہ لوگو جنہوں نے
میری رسالت اور میری لائی ہوئی تعلیم کو ماننے سے انکار کر دیا ہے" اور اسی طرح ایک مومن کو جب یہ لفظ کہے گا تو اس کی مراد محمد صلی اللہ علیہ
وسلم پر ایمان نہ لانے والے ہوں گے۔

(۳) اے کافر و کما ہے، اسے مشرک کہیں کہا، اس لیے مخاطب صرف مشرکین ہی نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کو اللہ تعالیٰ کا رسول، اور آپ کی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت نہیں مانتے، خواہ وہ یہود ہوں، نصاریٰ ہوں،
مجوسی ہوں، یا دنیا بھر کے کفار و مشرکین اور ملاحدہ ہوں۔ اس خطاب کو صرف قریش یا عرب کے مشرکین تک محدود رکھنے کی کوئی

وجہ نہیں ہے۔

(۴) منکرین کو اسے کافر و کلمہ کہ خطاب کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم کچھ لوگوں کو اسے دشمن و بیاد سے مخاطب کرنا کہ کلمہ کہ خطاب کریں۔ اس طرح کا خطاب دراصل مخاطبوں کی ذات سے نہیں ہوتا بلکہ ان کی صفت و دشمنی اور صفت و مخالفت کی بنا پر ہوتا ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہوتا ہے جب تک ان میں یہ صفت باقی رہے۔ اگر ان میں سے کوئی دشمنی و مخالفت چھوڑ دے، یا دوست اور حامی بن جائے تو وہ اس خطاب کا مخاطب نہیں رہتا۔ بالکل اسی طرح جن لوگوں کو اسے کافر و کلمہ کہ خطاب کیا گیا ہے وہ بھی ان کی صفت کو رکھ کے لحاظ سے ہے نہ کہ ان کی ذاتی حیثیت سے۔ ان میں سے جو شخص مرتے دم تک کافر رہے اس کے لیے تو یہ خطاب دائمی ہوگا، لیکن جو شخص ایمان لے آئے وہ اس کا مخاطب نہ رہے گا۔

(۵) مفسرین میں سے بہت سے بزرگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس سورۃ میں "اسے کافر و کلمہ کہ خطاب قریش کے مرتدوں کی چند مخصوص لوگوں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دین کے معاملے میں مصالحت کی تجویز میں لے کر آئے تھے اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ رائے انہوں نے دو وجوہ سے قائم کی ہے۔ ایک یہ کہ آگے لا آجِبُوا مَا آجِبُوا دُونَہ (دوسری یا جن کی عبادت تم کرتے ہو اس کی یا ان کی عبادت میں نہیں کتنا فرما لیا گیا ہے) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قول بیورد و نصاریٰ پر صادق نہیں آتا، کیونکہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ دَلَّا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا آجِبُوا (اور تم اس کی عبادت کرتے والے ہو جس کی عبادت میں کتنا ہوں) اور ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ قول ان لوگوں پر صادق نہیں آتا جو اس سورۃ کے نزول کے وقت کافر تھے اور بعد میں ایمان لے آئے۔ لیکن یہ دونوں دلیلیں صحیح نہیں ہیں۔ جہاں تک ان آیتوں کا تعلق ہے ان کی تشریح تو ہم آگے چل کر کریں گے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کا وہ مطلب نہیں ہے جو ان سے سمجھا گیا ہے۔ یہاں اس استدلال کی غلطی واضح کرنے کے لیے صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ اگر اس سورہ کے مخاطب صرف وہی لوگ تھے تو ان کے سرکھپ جانے کے بعد اس سورہ کی تلاوت جاری رہنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اور اسے مستقل طور پر قرآن میں درج کر دینے کی کیا ضرورت تھی کہ قیامت تک مسلمان اسے پڑھتے رہیں؟

۱۷ اس میں وہ سب معبود شامل ہیں جن کی عبادت دنیا بھر کے کفار اور مشرکین کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں، خواہ وہ ملائکہ ہوں، جن ہوں، انبیاء اور اولیاء ہوں، زندہ یا مردہ انسانوں کی ارواح ہوں، یا سورج، چاند، ستارے، جانور، درخت، دریا، بخت اور خیالی دیوبان اور دیوتا ہوں۔ اس پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو بھی تو معبود مانتے تھے اور دنیا کے دوسرے مشرکین نے بھی قدیم زمانے سے آج تک اللہ کے معبود ہونے کا انکار نہیں کیا ہے۔ رہے اہل کتاب تو وہ اصل معبود تو اللہ ہی کو تسلیم کرتے ہیں پھر ان سب لوگوں کے تمام معبودوں کی عبادت سے کسی استثناء کے بغیر براءت کا اعلان کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ ہی ان میں شامل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کو معبودوں کے مجموعے میں ایک معبود کی حیثیت سے شامل کر کے اگر دوسروں کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے تو وہ شخص جو توحید پر ایمان رکھتا ہو لازماً اس عبادت سے اپنی براءت کا اظہار کرے گا، کیونکہ اس کے نزدیک اللہ معبودوں کے مجموعے میں سے ایک معبود نہیں بلکہ وہی ایک تنہا معبود ہے، اور اس مجموعے کی عبادت سرے سے اللہ کی عبادت ہی نہیں ہے اگرچہ اس میں اللہ کی عبادت بھی شامل ہو۔ قرآن مجید میں اس بات کو صاف صاف کہا گیا ہے

زبان میں جب ہم کسی شخص کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں تو مقصد اس شخص کی ذات سے تعارف حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مگر جب ہم کسی شخص کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کیا ہیں؟ تو اس سے یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے کہ مثلاً وہ فوج کا آدمی ہے تو فوج میں اس کا منصب کیا ہے یا وہ کسی درس گاہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں ریڈر ہے؟ پچھر ہے؟ پروفیسر ہے؟ کس علم یا فن کا استاد ہے؟ کیا ڈگریاں رکھتا ہے؟ وغیرہ پس اگر اس آیت میں یہ کہا جاتا کہ لَا آتَنَّهُمْ عِبَادٌ وَلَا مَنَ أَعْبُدُ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اس معنی کی عبادت کرنے والے نہیں ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور اس کے جواب میں مشرکین اور کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی کو تو ہم مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی ہم کرتے ہیں۔ لیکن جب یہ کہا گیا کہ لَا آتَنَّهُمْ عِبَادٌ وَلَا مَنَ أَعْبُدُ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی عبادت میں کرتا ہوں ان صفات کے معبود کی عبادت کرنے والے تم نہیں ہو۔ اور یہی وہ اصل بات ہے جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین منکر بن خدا کے سوا تمام انہام کے کفار کے دین سے قطعی طور پر الگ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کا خدا ان سب کے خدا سے بالکل مختلف ہے۔ ان میں سے کسی کا خدا ایسا ہے جس کو چھ دن میں دنیا پیدا کرنے کے بعد ساتویں دن آرام کرنے کی ضرورت پیش آئی، جو رب العالمین نہیں بلکہ رب اسرائیل ہے، جس کا ایک نسل کے لوگوں سے ایسا خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، جو حضرت یعقوب سے کشتی نجاتا ہے اور ان کو گرہ نہیں سکتا، جو عزیر نامی ایک بیٹا بھی رکھتا ہے۔ کسی کا خدا یسوع مسیح نامی ایک اکلوتے بیٹے کا باپ ہے اور وہ دوسروں کے گناہوں کا کفارہ بنانے کے لیے اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھا دیتا ہے۔ کسی کا خدا جمودی بچے رکھتا ہے، مگر بچے چارے کے ہاں صرف بیٹیاں ہی بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کسی کا خدا انسانی شکل میں روپ دھارتا ہے اور زمین پر انسانی جسم میں رہ کر انسانوں کے سے کام کرتا ہے۔ کسی کا خدا محض واجب الوجود یا علت العلل یا علتہ اولیٰ First Cause ہے۔ کائنات کے نظام کو ایک مرتبہ حرکت دے کر الگ جا بیٹھا ہے، اس کے بعد کائنات گئے بندھے قوانین کے مطابق خود چل رہی ہے اور انسان کا اس سے اور اس کا انسان سے اب کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر وہ خدا کو مانتے والے کفار بھی درحقیقت اس خدا کو نہیں مانتے جو ساری کائنات کا ایک ہی خالق، مالک، مدبّر، منظم اور حاکم ہے۔ جس نے نظام کائنات کو صرف بنایا ہی نہیں ہے بلکہ ہر آن وہی اس کو چلا رہا ہے اور اس کا حکم ہر وقت یہاں چل رہا ہے۔ جو ہر عیب، نقص، کمزوری اور غلطی سے منتر ہے۔ جو ہر تشبیہ اور تعمیم سے پاک، ہر نظیر و تشبیہ سے منزّ اور ہر ساقی اور سامی سے بے نیاز ہے۔ جس کی ذات، صفات، اغنیات اور استحقاقِ عبودیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ جو اس سے بالاتر ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو، یا کسی کو وہ بیٹا بنائے، یا کسی قوم اور نسل سے اس کا کوئی خاص رشتہ ہو جس کا اپنی مخلوق کے ایک ایک فرد کے ساتھ رزاقی اور ربوبیت اور رحمت اور گمبانی کا براہ راست تعلق ہے جو دعائیں سننے والا اور ان کا جواب دینے والا ہے۔ جو موت اور زندگی، نفع اور ضرر اور قسمتوں کے بناؤ اور بگاڑ کے مجملہ اغنیات کا تئنا مالک ہے۔ جو اپنی مخلوق کو صرف پالتا ہی نہیں ہے بلکہ ہر ایک کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق ہدایت بھی دیتا ہے۔ جس کے ساتھ ہمارا تعلق صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ہمارا معبود ہے اور ہم اس کی پرستش کرتے ہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں امر و نہی کے احکام دیتا ہے اور ہمارا کام اس کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔ جس کے سامنے ہم اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہیں جو مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ اٹھانے والا ہے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ کر کے جزا اور سزا دینے والا ہے۔ ان صفات کے معبود کی عبادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی کرنے والوں کے سوا دنیا میں کوئی بھی نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے اگر خدا کی عبادت کر بھی رہے ہیں تو اصلی اور حقیقی خدا کی نہیں بلکہ اس خدا کی عبادت کر

رہے ہیں جو ان کا اپنا اختراع کردہ ایک خیالی خدا ہے۔

۱۷ مفسرین میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ دونوں فقرے پہلے دو فقروں کے مضمون کی تکرار ہیں، اور یہ تکرار اس غرض کے لیے کی گئی ہے کہ اُس بات کو زیادہ برزور بنا دیا جائے جو پہلے دو فقروں میں کہی گئی تھی۔ لیکن بہت سے مفسرین اس کو تکرار نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ان میں ایک اور مضمون بیان کیا گیا ہے جو پہلے فقروں کے مضمون سے مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک اس حد تک تو ان کی بات صحیح ہے کہ ان فقروں میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ ان میں صرف "اور تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں" کا اعادہ کیا گیا ہے، اور یہ اعادہ بھی اُس معنی میں نہیں ہے جس میں یہ فقرہ پہلے کہا گیا تھا۔ مگر تکرار کی نفی کرنے کے بعد مفسرین کے اس گروہ نے ان دونوں فقروں کے جو معنی بیان کیے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک کے بیان کردہ معنی کو نقل کر کے اس پر بحث کریں، اس لیے طویل کلام سے بچتے ہوئے ہم صرف وہ معنی بیان کریں گے جو ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔

پہلے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ "اور تم میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے" اس کا مضمون آیت نمبر ۲ کے مضمون سے بالکل مختلف ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ "میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو" ان دونوں باتوں میں دو چیزیں تو یہی سے بہت بڑا فرق ہے۔ ایک یہ کہ میں فلاں کام نہیں کرتا یا نہیں کروں گا کہنے میں اگرچہ انکار اور برزور انکار ہے، لیکن اس سے بہت زیادہ زور یہ کہنے میں ہے کہ میں فلاں کام کرنے والا نہیں ہوں، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا بڑا کام ہے جس کا ارتکاب کرنا تو درکنار اُس کا ارادہ یا خیال کرنا بھی میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ "جن کی عبادت تم کرتے ہو" کا اطلاق صرف اُن معبودوں پر ہوتا ہے جن کی عبادت کفار ارب کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے "جن کی عبادت تم نے کی ہے" کا اطلاق ان سب معبودوں پر ہوتا ہے جن کی عبادت کفار اور اُن کے آباؤ اجداد زمانہ ماضی میں کرتے رہے ہیں۔ اب یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ مشرکین اور کفار کے معبودوں میں ہمیشہ رد و بدل اور حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے، مختلف زمانوں میں کفار کے مختلف گروہ مختلف معبودوں کو پوجتے رہے ہیں، اور سارے کافروں کے معبود ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی نہیں رہے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے آج کے معبودوں ہی سے نہیں بلکہ تمہارے آباؤ اجداد کے معبودوں سے بھی بری ہوں اور میرا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے معبودوں کی عبادت کا خیال تک اپنے دل میں لاؤں۔

یہاں دوسرا فقرہ، تو اگرچہ آیت نمبر ۱ میں اُس کے الفاظ وہی ہیں جو آیت نمبر ۲ میں ہیں، لیکن دونوں جگہ اُس کا مفہوم مختلف ہے۔ آیت نمبر ۲ میں وہ اس فقرے کے بعد آیا ہے کہ "میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو" اس لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ "اور تم اُن صفات کے معبود و واحد کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں" اور آیت نمبر ۱ میں وہ اس فقرے کے بعد آیا ہے کہ "اور تم میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے" اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ "اور تم اُس معبود و واحد کی عبادت کرنے والے بنتے نظر آتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں" یا بالفاظ دیگر میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن کو تم نے اور تمہارے اسلاف نے پوجا ہے اُن کا پجاری بن جاؤں، اور تم کو بہت سے معبودوں کی بندگی چھوڑ کر ایک معبود و واحد کی عبادت اختیار کرنے سے جو چڑ ہے اُس کی بنا پر تم سے یہ توقع نہیں ہے کہ اپنی اس غلط عبادت سے باز آ جاؤ گے اور اُس کی عبادت کرنے والے بن جاؤ گے جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔

۱۸ یعنی یہاں تک ہے اور تمہارا دلین الگ۔ میں تمہارے معبودوں کا پرستار نہیں اور تم میرے معبود کے پرستار نہیں۔ میں

تمہارے معبودوں کی بندگی نہیں کر سکتا اور تم میرے معبود کی بندگی کے لیے تیار نہیں ہو۔ اس لیے میرا اور تمہارا راستہ کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔ یہ کفار کو رواداری کا پیغام نہیں ہے، بلکہ جب تک وہ کافر ہیں ان سے ہمیشہ کے لیے براہت، بیزاری اور تعلق کا اعلان ہے، اور اس سے مقصود ان کو اس امر سے قطعی اور آخری طور پر مایوس کر دینا ہے کہ دین کے معاملہ میں اللہ کا رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کا گروہ کبھی ان سے کوئی مصالحت کرے گا۔ یہی اعلانِ براہت اور اظہارِ بیزاری اس سورۃ کے بعد نازل ہونے والی کئی سورتوں میں ہے درپے درپے کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس میں فرمایا: ”اگر یہ تجھے فحشلائے ہیں تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے لیے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے، جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں“ (آیت ۴۱)۔ پھر آگے چل کر اسی سورۃ میں فرمایا: ”اے نبی، کہہ دو کہ لوگو، اگر تم میرے دین کے متعلق راہبوں تک کسی شہ میں ہو تو (میں لوگوں) اللہ کے سوا تم جن کی بندگی کرنے میں ان کی بندگی نہیں کرتا بلکہ صرف اُس خدا کی بندگی کرتا ہوں جس کے اختیار میں تمہاری موت ہے“ (آیت ۱۰۴)۔ سورۃ شُعرا میں فرمایا: ”اے نبی، اب اگر یہ لوگ تمہاری بات نہیں مانتے تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے میں بری اللہ تمہارا“ (آیت ۲۱۶)۔ سورۃ سبأ میں فرمایا: ”ان سے کہو جو تصور ہم نے کیا ہو اس کی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی۔ کہو، ہمارا رب ایک ذات ہے، ہمیں اور نہیں جمع کرے گا اور ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا“ (آیات ۲۵-۲۶)۔ سورۃ زمر میں فرمایا: ”ان سے کہو اے میری قوم کے لوگو، تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم پر اُس کا عذاب آتا ہے اور کہ وہ سزا ملتی ہے جو تمہارے والی نہیں“ (آیات ۳۹-۴۰)۔ پھر یہی سبق مدینہ طیبہ میں تمام مسلمانوں کو دیا گیا کہ ”تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اُس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ تم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے، جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعاً بیزاری میں، ہم نے تم سے کفر کیا اور تمہارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور میرے بڑے گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ“ (راہمتیہ- آیت ۴۴)۔ قرآن مجید کی ان پے درپے توضیحات سے اس شہد کی گنجائش تک نہیں رہتی کہ لکھو دینے لکھو دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دین پر قائم رہو اور مجھ اپنے دین پر چلنے دو۔ بلکہ یہ اُس طرح کی بات ہے جیسی سورۃ زمر میں فرمائی گئی ہے کہ ”اے نبی، ان سے کہو کہ میں تمہارے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُمی کی بندگی کروں گا، تم اُسے چھوڑ کر جس میں کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو“ (آیت ۱۱)۔

اس آیت سے امام ابوعلیہ اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ کافروں کے مذاہب خواہ باہم کتنے ہی مختلف ہوں لیکن کفر بحیثیت مجموعی ایک ہی وقت ہے، اس لیے یہودی میسائی کا، اور عیسائی یہودی کا، اور اسی طرح ایک مذہب کا کافر دوسرے مذہب کے کافر کا وارث ہو سکتا ہے، اگر ان کے درمیان نسب، یا نکاح یا کسی سبب کی بنا پر کوئی ایسا تعلق ہو جو ایک کی وراثت دوسرے کو پہنچنے کا مقتضی ہو۔ بخلاف اس کے امام مالک، امام اوزاعی اور امام احمد اس بات کے قائل ہیں کہ ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذہب کے پیرو کی وراثت نہیں پاسکتے۔ ان کا استدلال اُس حدیث سے ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمر دین عاص سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یتو ادت اهل ملتین شتئی۔ ”دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے“ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی)۔ اس سے ملنے چلتے مضمون کی ایک حدیث ترمذی نے حضرت جابر سے اور ابن جریان نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے نقل کی ہے۔ اس مسئلے پر مفصل بحث کرتے ہوئے مسلک حنفی

Tafheem-ul-Quran [The Meaning of the Quran] - S Abul A'la Maududi

▼ Surah!